پروفیسر چودھری نذیر احمد

اقبال کی اسلامی اور عربی تشبیہات

(۲)

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم — نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسمٰعیل (بالِ جبریل)

داستان حرم، داستان اسلام ہے جس کی ابتدا حضرت اسماعیلؑ کی مانند ہے اور انتہا حضرت امام حسینؓ کی مانند۔ حضرت اسماعیل فرزندی میں نام کر گئے ہیں۔ باپ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والا شاذ ہی کوئی اور ایسا بیٹا ہوگا بلکہ اور کوئی ایسا ہو ہی نہیں سکتا:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی — سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

حضرت امام حسینؓ وہ بزرگ ہیں کہ جنھوں نے حق کی حمایت میں سر کٹوانا منظور کر لیا لیکن باطل کے آگے سر جھکانا منظور نہ کیا۔ ابتدا اور انتہا کہنے سے یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کے بچے اپنی فرماں برداری اور اطاعتِ پدر کے لحاظ سے اسمٰعیل کی مانند ہوں۔ اور جوان مسلمانوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی مانند حق کی حمایت میں جان کی بازی لگا دیں اور باطل کے سامنے کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی سر نہ جھکائیں:

۴۔ موسیٰؑ۔ کلیم

حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن مجید میں کئی جگہ پر آیا ہے:۔

"اے بنی اسرائیل۔ یاد کرو میری نعمت وہ جو انعام کی میں نے اوپر تمہارے اور بزرگی دی تم کو اوپر عالموں کے۔" ۲ : ۴۷

"اور جب رہائی دی ہم نے تم کو قوم فرعون کی سے، جو پہنچاتے تھے تم کو بڑا عذاب۔ ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے بیٹیاں تمہاری اور اس میں آزمائش تھی بڑی پروردگار تمہارے سے" ۲ : ۴۹

"اور ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کو وحی کی کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پس جب تم ڈرو اوپر اس کے، تو بے خوف و خطر

ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا۔ کیونکہ ہم ضرور ان کو پھر تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور ہم بنانے والے ہیں اس کو پیغمبروں میں سے ایک۔ پس اٹھا لیا اس کو فرعون کے لوگوں نے تاکہ وہ ان کے لیے دشمن اور غم کا باعث بنے۔ اور یقیناً فرعون، ہامان اور ان کے لشکر اس بارے میں خطا کرنے والے تھے اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل مت کرو۔ عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اور وہ نہ سمجھتے تھے۔ اور ہو گیا دل موسیٰ کی ماں کا خالی صبر سے ۔۔۔۔۔۔" ۲۸ : ۷، ۸، ۹، ۱۰

"پس پھیر لائے ہم اس کی ماں کی طرف تاکہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اس کی اور غم نہ کھاوے اور جانے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر نہیں جانتے۔" ۲۸ ، ۱۳

"پس جب تمام کی مدت موسیٰ نے اور لے چلا اپنی بی بی کو تو طور کی طرف آگ دیکھی اور اپنی بیوی سے کہا۔ تم ٹھہرو تحقیق میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید کہ میں اس کی کچھ خبر یا آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ تم سینکو۔ پس جب آیا اُس (طور) کے نزدیک۔ تو اس برکت والے میدان کے کنارے۔ اس زمین مبارک کے بیچ تو پکارا گیا طرف درخت کے کہ اے موسیٰ۔ میں ہوں اللہ پروردگار عالموں کا۔" ۲۸ : ۲۹، ۳۰

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی۔ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے آلۂ ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا (اپنا) کوئی کارساز مت قرار دو۔" ۱۷ : ۲

"اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزے دیے جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے۔ سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھیے تو فرعون نے ان سے کہا، کہ اے موسیٰ۔ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔" ۱۷ ، ۱۰۱

"کہا موسیٰ نے تو دل میں خوب جانتا ہے کہ یہ نشان خاص آسمان و زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں۔ جو کہ بصیرت کے لیے کافی ذرائع ہیں اور میرے خیال میں تیری ہلاکت کے دن آگئے ہیں۔" ۱۷ : ۱۰۲

"پھر اس نے (فرعون نے) چاہا کہ بنی اسرائیل کا اس سرزمین سے قدم اکھاڑ دے۔ سو ہم نے اسی کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا۔" ۱۷ : ۱۰۳

"اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو بھی کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فضیلت دی۔" ۲ : ۱۲۲

"کہا موسیٰ نے کہ اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کر دوں، تب بھی (تو نہ مانے گا)۔ فرعون نے کہا کہ اچھا تم

وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ موسٰی نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً ایک نمایاں اژدہا بن گیا۔ پھر دوسرا معجزہ دکھانے کے لیے اپنا ہاتھ گریبان میں دے کر باہر نکالا۔ تو وہ دفعتہً سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا۔ ۲۶: ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳

(۲) موسٰی نے اُن (ساحروں) سے کہا۔ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو، سو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہا کہ فرعون کے اقبال کی قسم۔ بے شک ہم ہی غالب آئیں گے۔ پھر موسٰی نے اپنا عصا ڈال دیا جو ڈالنے کے ساتھ ہی اژدہا بن کر ان کے بنے بنائے دھندے کو نگلنے لگا۔ یہ دیکھ کر جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسٰی اور ہارون کا بھی رب ہے۔ ۴۳ تا ۴۸ / ۲۶

(۳) پھر ہم نے موسٰی کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار۔ جس سے وہ دریا پھٹ گیا۔ اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسا بڑا پہاڑ، اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا اور انجام یہ ہوا کہ ہم نے موسٰی اور اس کے سب ساتھیوں کو بچا لیا۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ اور اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے۔ ۶۳ تا ۶۷ / ۲۶

(ترجمہ شاہ رفیع الدین، و مولانا اشرف علی تھانوی)

اس مفصل ذکر کا لب لباب یہ ہے کہ کسی کاہن یا نجومی نے فرعون (بادشاہ مصر) کو بتایا کہ تیری موت بنی اسرائیل کے ایک بچے کے ہاتھوں ہوگی۔ جو ابھی پیدا ہونے والا ہے۔ اس خبر سے متوحش ہو کر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی قوم میں جو بھی لڑکا کسی کے ہاں پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ جب حضرت موسٰی پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے خدا کے حکم سے ان کو ایک صندوقچہ میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا۔ خدا کی قدرت کہ یہ صندوقچہ فرعون کے محل کے پاس بہتا بہتا آگیا۔ فرعون کی بیوی نے صندوقچہ نکلوایا۔ اسکے اندر ایک خوبصورت جیتا جاگتا بچہ دیکھا۔ چونکہ وہ بے اولاد تھی۔ اسے بچے سے پیار ہوگیا اور اس نے اسے قتل ہونے سے بچا لیا۔ پھر دودھ پلانے کی خدمت، خدا کی قدرت سے حضرت موسٰی کی والدہ کو ہی سپرد کی گئی۔ جب موسٰی جوان ہوتے تو ایک دن بازار میں دیکھا کہ ایک قبطی (فرعون کی قوم کا ایک فرد) بنی اسرائیل کے ایک آدمی پر ظلم کر رہا ہے۔ حضرت موسٰی نے اسے اُس زور سے مکا مارا کہ وہ وہیں مر گیا۔ موسٰی خوف کے مارے مدین کو بھاگ گئے۔

اثنائے سفر میں ایک مقام پر پہنچے جہاں لوگ اپنے جانوروں (بھیڑوں اور بکریوں) کو پانی پلا

رہے تھے۔ وہیں دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو روک کر ایک طرف کھڑی تھیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان لڑکیوں کے والد بوڑھے ہیں اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے انھیں بکریاں چرانی پڑتی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے پانی نکال کر ان کی بکریوں کو پلایا اور پھر ان کے اصرار پر وہ ان کے گھر گئے۔ لڑکیوں کے والد (حضرت شعیب) نے موسیٰ کو بے وطن جان کر اپنے پاس ملازم رکھ لیا اور بکریاں چرانے کی خدمت (شبانی) ان کے سپرد کی۔ موسیٰ کئی سال تک شبانی کرتے رہے اور آخر کار حضرت شعیب کی بڑی لڑکی سے نکاح کر دیا گیا۔ یہ اپنی بیوی کو لے کر وطن کی طرف لوٹے۔ بیوی کو سردی لگنے لگی۔ حضرت موسیٰ نے کوہِ طور پر آگ سی دیکھی اور بیوی کو کہا کہ تم ذرا یہیں ٹھہرو، میں آگ لاتا ہوں تاکہ تم تاپ سکو۔ جب وہ پہاڑ کے نزدیک گئے تو آواز آئی: اے موسیٰ مت ڈر۔ میں جہانوں کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا اللہ ہوں۔ موسیٰ ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو خداوند تعالیٰ کا پھر جلوہ دیکھا اور پیغمبری کی خلعت سے سرفراز ہوئے۔

خداوند تعالیٰ کی تائید و نصرت پا کر فرعون کے پاس گئے اور خدا کا پیغام سنایا۔ فرعون نے ہنسی مذاق کیا۔ آخر جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرایا۔ جادوگروں نے رسیوں سے سانپ بنائے حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ان پر پھینکا۔ عصا فوراً ایک اژدہا بن گیا۔ اور جادوگروں کے سب سانپوں کو کھا گیا۔ پھر انھوں نے اپنا ہاتھ لوگوں کو دکھایا جو بے حد چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ جادوگر یہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے اور خدا پر ایمان لے آئے۔

فرعون نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور بنی اسرائیل کو اپنے علاقے سے نکال دینے کا حکم دیا۔ ادھر حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کو دریا (نیل) کے کنارے جمع کیا اور جب سب جمع ہو گئے اور ادھر فرعون اور اس کا لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا دریائے نیل کے قریب پہنچا تو حضرت موسیٰ نے پھر خدا کے حکم سے دریا پر اپنا عصا مارا۔ جس سے دریا پھٹ گیا۔ بنی اسرائیل دریا کے پار ہو گئے۔ فرعون نے بھی دریا میں اترنے کا حکم دیا۔ خدا کی قدرت سے ایسی طغیانی آئی کہ فرعون اور اس کا لشکر دریا میں ڈوب کر مر گئے۔

جہاں گردی اور دشت نوردی کے ایام میں حضرت موسیٰ کو ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔

ان کی ملاقات خدا کے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) سے ہوئی۔ خضر نے کہا کہ تم میرے ساتھ اس شرط پر شریکِ سفر ہو سکتے ہو کہ جو کچھ میں کروں، اس کے متعلق کوئی بات نہ پوچھو موسیٰ نے اقرار کیا۔ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کنارے کے قریب پہنچے تو خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ وجہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے تو خضر نے بتایا کہ عنقریب کل کشتیوں کو بادشاہ کے حکم سے بیگار میں استعمال کیا جائے گا، اور یہ ایک مسکین آدمی کی کشتی ہے۔ اگر بیگار میں پکڑی گئی تو وہ خود اور اس کے لواحقین بھوکے مر جائیں گے۔ اس لیے میں نے اسے سوراخ کر کے عارضی طور پر ناقابلِ استعمال بنا دیا ہے۔ آگے گئے تو خضر نے ایک آدمی کو جان سے مار ڈالا اور آگے بڑھے تو خضر نے ایک گھر کی گرتی ہوئی دیوار کو مرمت کر کے کھڑا کر دیا۔ حضرت موسیٰ ؑ استفسار کیے بغیر نہ رہ سکے تو انھیں ان کاموں کی حکمت سے آگاہ کر دیا گیا۔

ہمارے شعرا نے ان واقعات کا تلمیحاً اپنے اشعار میں کافی ذکر کیا ہے۔ خصوصاً کوہِ طور پر بجلی سی چمکنے کا۔ اور خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا۔ اقبال نے ان واقعات سے مندرجہ ذیل تشبیہات پیدا کی ہیں:

کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حُسنِ قدیم ہے ؎ ننھا سا طور تو، یہ ذرا سا کلیم ہے (شمع و پروانہ)

شمع کو طور سے اور پروانے کو کلیم سے تشبیہ دی ہے۔

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم ؎ تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم (نالۂ فراق)

"نالۂ فراق" پروفیسر آرنلڈ کی یاد میں لکھا گیا تھا۔ علم کو ذروۂ سینا (کوہِ طور کی چوٹی) سے اور آرنلڈ کو کلیم سے تشبیہ دی گئی ہے:

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا ؎ اویس طاقتِ دیدار کو ترستا تھا (بلال)

بلال کو کلیم سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو خداوند تعالیٰ کے دیدار کا شوق بلکہ سودا تھا۔ اسی طرح حضرت بلال کو رسولِ اکرم کے دیدار کا بے انتہا شوق تھا۔ اس شعر میں اویس کا طاقت دیدار کو ترسنا تلمیح ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے (ہندوستانی بچوں کا گیت)

وطن کی محبت میں مخمور ہو کر کہا ہے کہ میرے وطن کے پہاڑ طور سینا کی مانند ہیں اور میرے ہم وطن کلیم کی مانند شوقِ دیدار رکھنے والے ہیں۔

گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر — کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر (بلال)

برق کا بلالؓ کی جانِ ناشکیبا پر گرنا استعارہ ہے۔ اس بات کا کہ تجھ پر عشق کی ایسی بجلی گری جس نے تجھے منوّر کر دیا اور عشقِ رسول کی برق نے تیری ظلمت (جسم کی سیاہ رنگت) کو اس قدر چمکنے والا بنا دیا، جیسے حضرت موسیٰ کا یدِ بیضا ہو۔

خیمہ زن ہو وادیِ سینا میں مانندِ کلیم — شعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ کر (شمع اور شاعر)

تحقیق کا استعارہ وادیٔ سینا سے اور شاعر کا استعارہ کلیم سے ہے۔ شمع شاعر سے کہہ رہی ہے کہ تو شعلۂ تحقیق سے اپنے کاشانہ کو جو بے بنیاد باتوں کی بنیاد پر کھڑا ہے، جلا دے۔ اور تحقیق کی روشنی میں کلیم کا سا سودا لے کر دیکھ کہ تیرا منصب کیا ہے اور تو کدھر جا رہا ہے۔

کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم — اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر (غزلیات)

اقبال کا ایک خاص زاویۂ نظر ہے جو دوسرے شاعروں سے بالکل مختلف ہے، ان کا ایک خاص رنگ ہے جو کسی رنگ میں شامل نہیں ہوتا۔ جس طرح ہم گزشتہ ابواب میں بیان کر چکے ہیں وہ بعض اشیا کو ایسے نئے معنی عطا کرتے ہیں جو اُن سے پہلے کسی کو نہ سوجھے ہوں۔ حباب کو دیکھا تو پہلے دوسرے شاعروں کی طرح اسے مختصر سے مختصر زندگی والا پایا، اور تشبیہات میں تقریباً وہی باتیں وجہ مشابہت ٹھہرائیں جو دوسرے شاعر ٹھہراتے چلے آئے تھے۔ پھر اپنے خاص زاویۂ نظر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حباب بڑا خوددار ہے۔ دریا میں رہتا ہے اور خودداری کی وجہ سے اس کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتا، بلکہ اپنے پیالے کو بھی نگوں رکھتا ہے فرمایا۔

تو اگر خوددار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو — عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

اسی طرح کلیم اور طور کے واقعہ پر نظر ڈالی اور پہلے دوسرے شعرا کی مانند تشبیہات وضع کیں پھر غور کیا تو موسیٰ کو رب ارنی، رب ارنی کہتے ہوئے اور دیدار کی دریوزہ گری کرتے ہوئے دیکھا، تو یہ ادا پسند نہ آئی۔ کیونکہ اقبال "غیروں کے بارِ احسان" "منتِ اغیار" اور "دستِ سوال کا دراز کرنا" پسند نہیں فرماتے حالانکہ کئی شعرا نے "دریوزہ گری" اور "دیدار کی گدائی" کا

مضمون بڑے فخر سے باندھا ہے۔

آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے — دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لیے

کاسہ چشم لے کے ہم نے میر — ان کے دیدار کی گدائی کی

ہم تو ہیں دریوزہ گر ہم کو دیارِ حسن میں — مل گیا جو در کھڑے ہو کر صدا دینے لگے

اور ایک شاعر تو گداگروں کے انداز میں بھیک بھی مانگتا ہے اور دعا بھی دیتا ہے

زکوٰۃِ حُسن دے او شاہزادے — تجھے اللہ دُونا چوگنا دے

اقبال کسی رنگ میں بھی گدائی کو پسند نہیں کرتے، اس لیے کلیم اور طور سے ایک نئی تشبیہ وضع کی، کہ تو طُور پر مثلِ کلیم کب تلک دریوزہ گری کرتا رہے گا۔ تجھے چاہیے کہ اپنی خودی کو بلند کرے اور اپنی ہستی سے شعلۂ سینائی کو ظاہر کرے۔ وہ شعلہ جو کوہِ طُور پر موسیٰ کو نظر آیا تھا، تیرے اندر موجود ہے۔ اپنے آپ کو پہچان۔ اور اُس شعلے کو معرضِ ظہور میں لا۔

۵۔ خضرؑ

موسیٰؑ کے ساتھ خضر کا تعلق ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ خضرؑ سے عموماً دو باتوں کے لیے تشبیہ دی جاتی ہے۔ طوالتِ عمر یا آبِ حیات پی کر زندگی جاوید حاصل کرنا، اور بھولے بھٹکے کی رہنمائی کرنا۔ چنانچہ اقبال کی خضر سے ماخوذ تشبیہات میں یہی معنی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

(عقل اور دل)

کام دنیا میں رہبری ہے مرا — مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں

عقل مشبہ۔ خضرِ خجستہ پا مشبہ بہ۔ مثل حرف تشبیہ اور رہبری وجہ تشبیہ

(فلسفۂ غم)

خضرِ ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر — فکر جب عاجز ہو اور خاموش آوازِ ضمیر

ہمت مشبہ، خضر مشبہ بہ، وجہ تشبیہ رہبری اور دستگیری۔ یہاں حرف تشبیہ کی بجائے اضافت تشبیہی سے کام لیا گیا ہے۔

۶۔ سلیمانؑ

سلیمان وہ زبردست نبی تھے جن کو خداوند تعالیٰ نے ہوا، پانی اور خشکی تینوں کی بادشاہت عطا کی۔ ہوا اور پانی کے جانور اُن کے ماتحت تھے۔ زمین کے ایک وسیع قطعہ پر بھی ان کی حکومت تھی۔ جن بھی ان کے ماتحت تھے۔ مُلک سبا کی ملکہ "بلقیس" ان کے دربار میں آئی اور

ان کی شان و شوکت دیکھ کر ان پر ایمان لے آئی۔ کہتے ہیں کہ ان کے پاس ہوا میں اڑنے والا ایک تخت تھا جو تختِ سلیمان یا سلیمانی تخت کہلاتا تھا، جس پر بیٹھ کر وہ دم بھر میں جہاں چاہتے تھے، پہنچ جاتے تھے۔ ان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسے پہن کر وہ جن و بشر اور مرغ و ماہی پر حکومت کرتے تھے۔ یہ انگشتری یا خاتم ایک جن کے پاس رہتی تھی۔ ایک بار تھوڑی دیر کے لیے یہ گم ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ خاتم دار جن کی نیت میں فتور آ گیا تھا۔ لیکن بہت جلد ہی وہ مل گئی۔ ان سب واقعات کی تلمیحات و تشبیہات ملتی ہیں۔ اقبال اس میں بھی اپنا خاص رنگ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں:

جس سے تیرے حلقۂ خاتم میں گردوں تھا اسیر اے سلیمان، تیری غفلت نے گنوایا وہ نگیں (تضمین بانگ درا)

یہ نظم ابو طالب کلیم کے ایک شعر کی تضمین ہے، اور یہ شعر سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو معنوں کی خود بخود وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں مسلم کو استعارۃً سلیمان کہا ہے۔ اور وہ بات جس سے زمین و آسمان مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھے، وہ صاحب یثرب کے شعار کی پابندی تھی، جسے مسلمانوں نے اپنی کوتاہی و غفلت سے گنوا دیا ہے۔

۷۔ یوسفؑ

"اور جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے۔ اے میرے باپ۔ تحقیق اد یکھے ہیں میں نے خواب میں گیارہ تارے۔ اور سورج اور چاند۔ دیکھا میں نے ان کو اپنے آگے سجدہ کرنے والے۔ تو کہا باپ نے اے میرے چھوٹے بیٹے اپنے خواب کو بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ پس مکر کریں گے وہ تیرے واسطے کچھ۔ تحقیق شیطان ہے آدمی کے واسطے دشمن ظاہر"۔ ۱۲ : ۴/۵

حضرت یوسف حضرت یعقوب کے بیٹے تھے۔ بے حد خوبصورت تھے۔ بھائیوں کے حسد نے ان کو کنوئیں میں گرایا۔ ایک قافلے کا ادھر سے گزر ہوا۔ قافلے والوں نے حضرت یوسف کو کنوئیں سے نکال لیا اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ مصر کے بازار میں بیچنے کے لیے ان کو کھڑا کیا تو سارے شہر میں ان کے حُسن کی دھوم مچ گئی۔ ہزاروں خریدار پیدا ہو گئے۔ آخر عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا) نے انھیں خرید لیا اور اپنا غلام بنا لیا۔ لیکن چند ہی دنوں میں وہ اُن کے جسمانی حُسن کی وجہ سے خود ان کی بے دام غلام ہو گئی۔ اور قصد کیا ان سے برائی اور بے حیائی کا۔ لیکن

یوسف نے اپنے رب کی دلیل کو دیکھا ہوا تھا۔ وہ آمادہ نہ ہوئے اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور زلیخا کا خاوند اتفاق سے دروازے کے قریب تھا۔ اس نے دونوں کو دیکھ لیا۔ یوسف پر زلیخا نے تہمت لگائی۔ حضرت یوسف زنداں میں ڈال دیے گئے۔

قید خانے میں دو اور قیدی ان کے ساتھ تھے۔ ایک رات اُن دونوں نے خواب دیکھے ایک نے دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں نے سر پر روٹیاں اٹھائی ہوئی ہیں اور جانور ان کو کھائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسف نے تعبیر بتائی کہ شراب نچوڑنے والا رہا ہو کر اپنے آقا کو شراب پلائے گا یعنی اپنی ملازمت پر بحال ہو جائے گا اور دوسرا پھانسی پر لٹکایا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹے موٹے بیل ہیں۔ ان کو سات پتلے اور لاغر بیل کھائے جا رہے ہیں۔ اور سات گندم کی بالیاں سبز اور سات سوکھی ہوئی ہیں۔ درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھی۔ اس وقت اس شخص کو جو حضرت یوسف کے ساتھ قید تھا۔ اور ان کے علم تعبیر سے واقف تھا، حضرت یوسف کی یاد آئی۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے بھیجیے۔ میں اس کی تعبیر یوسف سے پوچھ آؤں۔ حضرت یوسف نے تعبیر بتائی کہ ملک میں سات سال تک فصل اور جنسیں بڑی اچھی ہوں گی اور ہر طرح کی فارغ البالی ہو گی اس کے بعد سات سال خشک سالی کے ہوں گے۔ بادشاہ نے کسی اہلکار کو بھیجا کہ یوسف کو قید سے نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ حضرت یوسف نے کہا کہ پہلے اس تہمت کی تحقیق کر دو۔ اب زلیخا کی آنکھیں بھی کھل چکی تھیں۔ اس نے اقرار کر لیا کہ میں ہی مجرم تھی اور یوسف بالکل سچا اور بے گناہ ہے۔ عزیز مصر نے ان کو اپنا مقرب خاص بنا لیا۔

ادھر یعقوب علیہ السلام کو جب دوسرے بیٹوں نے آکر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور ان کی خون آلود قمیص دکھائی تو انھوں نے رو رو کر اپنی بینائی کھو دی۔ اور جب سات سال کے بعد خشک سالی آئی، غلہ نایاب ہو گیا، اور قحط پڑنے لگا تو حضرت یوسف کے بھائی کنعان سے مصر میں غلہ حاصل کرنے کے لیے آئے۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو بتایا کہ میں تمھارا بھائی یوسف ہوں۔ اور اپنا کرتا بھیجا کہ یہ میرے باپ کے منہ پر ڈالنا، اُن کی بصارت لوٹ آئے گی۔ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کے کرتے کی پہلے سے

ہی خوشبو آگئی اور جب پیغامبر نے کنعان میں آکر حضرت یوسفؑ کے حکم کی تعمیل کی تو واقعی حضرت یعقوب کی بینائی لوٹ آئی۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو معاف کر دیا اور زندگی کے باقی دن نہایت عزت و احترام اور خوشحالی سے گزارے۔

یہ مختصر سا حال ہے حضرت یوسفؑ کا۔ اس میں سے کئی تفصیلات میں نے اس خیال سے چھوڑ دی ہیں کہ مقصد تو تشبیہاتِ اقبال کا پس منظر بیان کرنا ہے نہ کہ انبیائے کرام کے مکمل حالاتِ زندگی۔

حضرت یوسفؑ کے واقعاتِ زندگی پر شعرا نے کئی اشعار میں اشارے کیے ہیں۔ اور آج تک برادرانِ یوسفؑ، چاہِ یوسف یا چاہِ کنعاں، غلام ہو کر فروخت ہونا، حُسنِ یوسف، عشقِ زلیخا گریۂ یعقوبؑ وغیرہ شعرا کے مستقل مضامین اور موضوع بنے ہوئے ہیں۔ اقبال نے ان واقعات سے مندرجہ ذیل تشبیہات و استعارات اخذ کیے ہیں:

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا   تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

اقبال وطنیت کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: ع مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا۔ وہ جغرافیائی حد بندی کو وطن تصور نہیں کرتے۔ ان کی نظم "وطنیت" کے عنوان سے بانگِ درا میں موجود ہے جو ان کے نظریۂ وطنیت کی پوری تشریح کرتی ہے۔ اس شعر میں مسلم کو یوسف کی مانند ٹھہرایا ہے کہ کنعان بھی ان کا وطن تھا اور مصر کو بھی وہ اپنا ہی وطن خیال کرتے تھے:

خارِ حسرت غیرتِ نوکِ سناں ہونے لگا   یوسفِ غم زینتِ بازارِ جاں ہونے لگا (نالۂ یتیم)

یوسفِ غم اور زینتِ بازارِ جاں استعارے ہیں اور خارِ حسرت نوکِ سناں کی مانند ہے۔ یہ تشبیہ ہے:

مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل خار میں   آہ وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں (رخصت اے بزمِ جہاں)

"نظارۂ گل" کی تلاش "خار" میں کرتا رہا۔ مگر نظارۂ گل یوسف کی مانند تھا جو اس بازار میں ہاتھ نہیں آیا اور میری سعی اکارت گئی۔

۸- بلالؓ

بلال رضی اللہ عنہ رسولِ اکرمؐ کے ایک مقرب صحابی تھے۔ رسولِ اکرمؐ کی زندگی میں ہمیشہ اذان

یہی دیتے رہے۔ ان کی آواز میں خاص سوز و گداز تھا اور دل میں اسلام کی محبت ہمیشہ موجزن رہتی تھی۔

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے تھے — زندگی مثل بلالِ حبشی رکھتے تھے

یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی بلال حبشی کی زندگی کی مانند تھی۔

۹۔ حسین علیہ السلام

اقبال حضرت امام حسینؑ کو بہت بلند رتبہ انسان اور مثالی مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی توجہ ان کی مثالی زندگی کی طرف مبذول کراتے ہوئے ان کی تقلید کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ بڑی کڑی آزمائش سے گزرے ہیں۔ ایک طرف دنیاوی شان و شوکت اور امن و امان کی زندگی نظر آتی تھی۔ دوسری طرف باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اسلام کی صداقت کو قائم رکھنا تھا اور اس کام میں اپنی اور اپنے اعزہ و اقربا کی جانوں کی قربانی نظر آتی تھی۔ حضرت امام حسینؑ نے باطل کے آگے سر جھکا کر آرام و سکون کی زندگی کو اختیار نہ کیا، بلکہ کئی جانوں کی قربانی دے کر اپنی جان بھی حق کے لیے قربان کر دی۔ اور اس طرح لا الٰہ الا اللہ کی صداقت اور حقیقت کو واضح کر دیا:

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین — دین است حسین دین پناہ ہست حسین

سرداد و نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

حضرت امام حسینؑ کے متعلق تلمیحات کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ تشبیہات البتہ کم ہیں۔ استعارات سے بھی کئی جگہ کام لیا ہے۔ مثلاً:

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں — گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

یہاں حسین سے مراد حسین کی مانند اسلام اور حق کے لیے جان قربان کرنے والا جواں مرد مراد ہے۔

د۔ اسلامی دیار و امصار کی تشبیہات

اقبال کے کلام میں اسلامی دیار و امصار مثلاً مدینہ۔ نجف۔ کعبہ۔ حجاز۔ یثرب۔ بغداد۔ قرطبہ کنعان۔ طور سینا۔ کشمیر وغیرہ کی تلمیحات اور تشبیہات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ چند ایک تشبیہات ملاحظہ کیجیے۔

مدینہ۔ یثرب

ہجرت سے قبل مدینہ کا نام یثرب تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یثرب میں اقامت گزیں

ہوئے تو مسلمانوں نے یثرب کا نام بدل کر اسے "مدینۃ النبی" کہنا شروع کیا۔ یعنی نبی کا شہر۔ مرورِ زمانہ سے اور لوگوں کی سہل پسندی کی وجہ سے پورا نام تو زبانوں پر نہ رہا، البتہ مدینہ رہ گیا اور آج ہم اسی نام سے اس مقدس شہر کو یاد کرتے ہیں :

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا (بلال)

مدینہ مشبہ۔ نگاہوں کا نور مشبہ بہ۔ صحرا مشبہ طور مشبہ بہ۔ وجہ مشبہ۔ نور

آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

تاثر کی شعاعوں کا نقطۂ جاذب یثرب ہے۔ تاثر کو شعاعوں سے تشبیہ دینا اور ان شعاعوں کے ایک نقطہ پر مرکوز ہونے کو نقطۂ جاذب سے تشبیہ دینا بالکل اچھوتی تشبیہ ہے اور یہ انگریزی ادب کا اثر ہے : اس تشبیہ کا ذکر ہم انگریزی تشبیہات کے ضمن میں بھی کریں گے۔

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہِ مصطفیٰ دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا

خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

مدینہ کو ایک نگینہ سے تشبیہ دی ہے جو زندگی کی انگوٹھی میں جڑا ہوا ہے۔ زندگی اور انگوٹھی میں استعارہ ہے۔

مدینہ و نجف

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (بالِ جبریل)

مدینہ اور نجف کی خاک کو سُرمہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس کی آنکھوں میں مدینہ اور نجف کی خاک سرمہ کی مانند لگائی جائے، اسے جلوۂ دانشِ فرنگ کیسے خیرہ کر سکتا ہے۔

کعبہ

یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے (والدہ مرحومہ)

یہ تشبیہ بھی بالکل اچھوتی اور نادر ہے۔ اقبال کے پیش رو شاعروں نے زیادہ تر دل کو کعبہ سے تشبیہ دی ہے اور ہزاروں شعر لکھے ہیں کہ "دل گزرگاہِ خلیلِ اکبر است"۔ دل میں خدا بستا ہے اور کعبہ میں بھی خدا بستا ہے۔ کعبہ اینٹ پتھر کا مکان ہے اور دل کو خدا نے بنایا ہے وغیرہ لیکن اس طرف کسی شاعر کا خیال نہیں گیا کہ کعبہ کی فضا میں اس قدر دعائیں مانگی جاتی ہیں کہ

تمام فضاؤں سے برستی ہے اور چونکہ ہمارے شاعر کا دلِ دردآشنا بھی اپنی والدہ مرحومہ کی یاد سے پُر ہے، اس لیے فضائے کعبہ کی مانند ہے۔

بغداد

ہے زیارت گاہِ مسلم گو جہان آباد بھی
اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم
جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم (بلادِ اسلامیہ)

بغداد کی خاک کو اِرم کا ہمدوش یعنی اِرم کی مانند کہا گیا ہے۔

حجاز

دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف
مشہور ہے جہاں میں تو دیوانہ حجاز (شفا خانہ حجاز)

حجاز سے زیادہ محبت رکھنے کی وجہ سے دیوانہ حجاز کہا گیا۔

قرطبہ

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور (بلادِ اسلامیہ)

زمینِ قرطبہ کو شمعِ طور سے تشبیہ دی ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغرب میں علم و عرفان کی روشنی نہ تھی۔ اس لحاظ سے مغرب میں گویا تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اس تاریکی (ظلمت) میں قرطبہ کی سرزمین تعلیم اور تہذیب کے لحاظ سے یوں روشن تھی جیسے شمعِ طور روشن ہو۔

۳۔ اسلامی عقائد و شعائر

یعنی حور و جنت، فرشتے، مساجد، کھجور، ہلال، صحرا وغیرہ کی تشبیہات

جنت

رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے
(ہندوستانی بچوں کا گیت)

اپنے وطن کی زندگی کو جنت کی زندگی سے تشبیہ دی ہے اور پہلے مصرع میں بھی وطن کی زمین کی رفعت کو "بامِ فلک کا زینہ" سے تشبیہ دی ہے۔

حُور و جنت

علم میں بھی سرور ہے لیکن یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

علم کے سرور کو جنت کے سرور سے تشبیہ دی ہے لیکن ایک قید کے ساتھ۔ کہ اس جنت میں حُور نہیں ہے۔ یعنی کچھ خامی اور کمی ہے۔

جبریل و سرافیل

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل

حیاتِ ابدی کا پیغام سنانے والا شعر دو چیزوں کی مانند ہے۔ یا تو نغمۂ جبریل کی مانند۔ یعنی وحی و الہام کا درجہ رکھتا ہے۔ یا بانگِ سرافیل کی مانند کہ ایک حشر برپا کر دیتا ہے ؛

بزمِ عالم میں طرازِ مسندِ عظمت ہے تو بہرِ انساں جبریل آیۂ رحمت ہے تو (نالۂ یتیم)

سایۂ پدر کو دو چیزوں سے تشبیہ دی ہے۔ سایۂ پدر مسندِ عظمت کے بیل بوٹوں کی مانند ہے اور انسان کے لیے جبریل فرشتے کی مانند ہے جو رحمت کی آیت لے کر آیا ہو۔

وہ نمودِ اخترِ سیماب پا ہنگامِ صبح یا نمایاں بامِ گردوں سے جبینِ جبریل (خضرِ راہ)

صبح کے وقت کو نور کی وجہ سے جبینِ جبریل سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ بھی جدت کی حامل ہے۔

ابلیس

خداوند تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا اور اسے خلافتِ ارضی کا اعزاز دیا تو فرشتوں سے اس کی برتری ثابت کرنے کے لیے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اور اس نے انکار کر کے اور خدا کی ناشکرگزاری کر کے ابدی لعنت حاصل کی۔ اب وہ خدا کے بندوں کو بھٹکاتا ہے بدی اور شرارت پر اکساتا ہے۔ آدم اور ابلیس سے کئی تشبیہات وضع کی گئی ہیں۔ اقبال نے مختلف عنوانات کے تحت اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ آدم اور ابلیس سے متعلق چند ایک تشبیہات دیکھیے:

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس (ضربِ کلیم)

مغرب کے فتنہ پرداز سیاست دانوں کو ابلیس سے تشبیہ دی ہے :

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں غلام (بالِ جبریل)

ابلیسی نظام استعارہ ہے انگریزوں کے ہندوستان پر نظامِ حکومت سے۔

محشر۔ روزِ حساب۔ رستاخیز

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے (خضرِ راہ)

غلامی کے پر آشوب دور کو عرصۂ محشر سے تشبیہ دی ہے:

کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا
تیری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز

نگاہ کی گردش کو ہنگامۂ نشور یا رستاخیز سے تشبیہ دی ہے۔

کھجور کا درخت

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تو

اپنی وادی سے دور ہوں میں
میرے لیے نخلِ طور ہے تو

صبحِ غربت میں اور چمکا
ٹوٹا ہوا شام کا ستارا

کھجور کے درخت کو صحرائے عرب کی حور کہنا بھی بڑی موزوں، دلکش اور نادر تشبیہ ہے۔ دوسرے شعر میں کھجور کے درخت کو نخلِ طور سے تشبیہ دی ہے۔ تیسرے شعر میں صنعت طباق یا تضاد بھی ہے اور کھجور کے لیے شام کے ستارے کی تشبیہ بھی ہے۔ پھر شام میں ایہام بھی ہے۔

مسجد قرطبہ

تیری بنا پائیدار تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل (مسجد قرطبہ)

مسجد قرطبہ کے بے شمار ستونوں کو کھجور کے بے شمار درختوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ بھی اچھوتی اور نادر ہے۔ کھجور کا تنہ بالکل ستون کی مانند ہوتا ہے۔ یہ تشبیہ بھی تشبیہِ تام ہے۔